سیّد زبیر شاہ کے افسانوں میں موضوع اور تکنیک کا تنوّع

محمد اسماعیل

پی ایچ ڈی سکالر شعبۂ اردو، جامعہ پشاور

پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی شعبۂ اردو، جامعہ پشاور

Abstract

Syed Zubair Shah’s collection of short stories illustrates a profound engagement with themes such as human duality, societal issues, and the impact of cultural and global changes on individual psyche. His narrative arsenal is enriched with a variety of literary techniques that effectively convey his thematic concerns. Here, we explore both the thematic and technical aspects of his work in detail. Shah’s stories often center around the pervasive theme of fear—fear of change, fear of the unknown, and fear within interpersonal relations. This is depicted through character-driven plots where internal conflicts mirror broader societal tensions. His stories navigate through traditional narrative forms to more complex symbolic and abstract frameworks, illustrating his versatility and adaptiveness to modern literary forms.

Techniques Symbolism: Shah uses symbols extensively to deepen the thematic layers of his stories. For instance, in “Tablets of Fear,” objects and settings symbolize larger existential and societal anxieties. Symbols like locked doors or stormy weathers are not just scenic details but represent barriers and turmoil in the characters’ lives.

Allegory: Many of Shah’s stories operate on an allegorical level, presenting characters and plots that represent broader human conditions

or cultural critiques. This technique allows readers to explore not just the surface narrative but also the richer, deeper meanings related to human nature and societal developments.

Abstract Narrative: Shah employs abstract narrative techniques to depict the complexities of human thoughts and emotions. These narratives often leave explicit plot developments and resolutions open-ended, inviting readers to engage deeply with the psychological underpinnings of the characters.

Stream of Consciousness: This technique is particularly evident in stories that delve into personal and existential angst. Shah uses a free-flowing narrative style that mimics the unstructured, often chaotic nature of human thoughts. This allows for a more intimate portrayal of his characters' inner lives, making the stories highly immersive.

Poetic Prose: The lyrical quality of Shah’s writing is another hallmark of his style. He integrates poetic elements into his prose, enriching the auditory and visual imagery of his stories. This not only enhances the aesthetic pleasure of reading but also amplifies the emotional resonance of the themes.

Dramatic Irony: Shah often uses dramatic irony, where the audience knows more about the true nature of events than the characters. This technique builds tension and adds a layer of profundity to the narrative, as readers anticipate the characters’ realization of their circumstances.

Flashbacks: Using flashbacks, Shah builds complex character histories and reveals motivations in a non-linear fashion, which enriches the narrative texture and provides depth to the characters' current actions and dilemmas.

Shah’s adept use of these diverse techniques ensures that his stories are not just narratives but are rich, evocative pieces that invite reflection on the human condition. In summary, Syed Zubair Shah’s contributions to Urdu literature are significant, with his stories offering both profound thematic explorations and innovative narrative techniques. His work exemplifies the rich potential of modern Urdu storytelling in addressing complex themes relevant to contemporary society.

زبیر شاہ کے افسانوں کے بنیادی موضوعات میں انسانی فطرت کا تضاد، عصری صورتِ حال، مختلف نوعیّت کے معاشرتی مسائل مقامی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات، اور انسان کو مستقبل میں پیش آنے والے خطرات شامل ہیں۔ ان کی ہر کہانی کے کرداروں کا بنیادی موضوع خوف ہے۔ تہذیبی تصادم، عالمی ماحول میں مغرب کی مداخلت سے پیدا ہونے والی تبدیلیاں اور اُن کے نتیجے میں انسان کے اندر پیدا ہونے والی بے چینی، اضطراب اور خوف اُن کی کہانیوں کے محبوب موضوعات ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

> "میں اپنی ذات کے آئینے میں ایک ایسا زور آور انسان ہوں۔ جو زمانے کے حوادث کا مقابلہ کرنا جانتا ہے اور جسے خود سے پیار ہے۔ لیکن پسِ آئینہ کوئی ہے، جو میرے اعصاب کو چاٹنے اور میرا خون پینے کے لیے میرے جسم کے اندر خوفناک جھونک چھوڑتا ہے اور مجھے اپنے اپ سے ڈر لگنے لگتا ہے"[۱]

زبیر شاہ کے افسانوں کا سفر روایت سے شروع ہو کر علامت سے ہوتا ہوا تجرید پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ تجرید سے ابہام پیدا ہوتا ہے۔ لیکن زبیر شاہ کے اُسلوب کی روانی، اختصار اور شعریت اُن کی کہانیوں کو مبہم ہونے سے بچاتی ہے۔ اُن کے دو افسانوی مجموعے "خوف کے کتبے" ۲۰۱۱ جب کہ " یخ بستہ دہلیز" ۲۰۱۷ میں منظرِ عام پر آئے ہیں۔ "خوف کے کتبے" کُل 16 افسانوں پر مشتمل ہے۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

بین کرتی میّا، خالی فریم، ہیرا، جو اماں ملی تو کہاں ملی، کتا، خوف کے کتبے،
دائرے کا سفر، ابنِ آدم ، شہرِ سنگین، آخری کہانی، پرانا خط، فلائٹ 10/8، کوّے،
انقلاب، ہنس کی چال، اور دو موہنے۔

افسانہ "بین کرتی میّا" میں قدیم تہذیب کو جدید دور کے تقاضوں میں ضم ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ موضوع، اُسلوب اور تکنیک کے حوالے سے یہ افسانہ انفرادیت لیے ہوئے ہے۔ "میّا" پُرانی اقدار کو سینے سے لگائے بین کرتی ہے۔ نفرت اور خوف کی وجہ سے سارے محلے والے اس کے گھر کے آگے گزرنے سے کتراتے ہیں۔ افسانہ سیدھا سادہ بیانیہ انداز سے شروع ہو کر عین آخر میں علامتی تکنیک میں ڈھلتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> زمین کے اس بنجر پن کو دیکھ کر محلے کی حاملہ عورتوں نے آئندہ کبھی
> اپنے رحموں میں بچوں کی حرکت محسوس نہیں کی"۲؎

"میّا" کے کردار میں خاکہ کا سارنگ ہے۔ یہ ایک مثالی کردار ہے۔ جس کے مختصر نفسیاتی تجزیے سے اس کا ظاہر و باطن کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> "وہ افسردہ خاطر ہو کر اپنے وجود کو اپنے اندر چھپانے لگی یہاں تک کہ
> ایک مستقل خوف اور وحشت اس کے جسم کے ایک ایک حصّے پر اپنے پنجے گاڑ
> کر بیٹھ گئے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر دیکھنے والی آنکھ میں ایک خوف صورت بھوتنی
> بن گئی لیکن کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس کے حُسن کو سنبھالنے والے
> ہاتھ مل جاتے تو شاید وہ اس وقت محلے کی سب سے پُر وقار خاتون ہوتی"۳؎

"بین کرتی میّا" میں افسانہ نگار نے علامت کو تکنیک کے طور پر برتا ہے۔ اس افسانے میں پرانی اقدار کے علامتی کردار "میّا" کو اپنی تہذیب سے بے حد عقیدت ہے۔ "میّا" سائنسی ترقی سے نفرت کرتی ہے۔ دفتروں میں کام کرنے والے لوگوں کو کافر سمجھتی ہے۔ ان کو جب بتایا جاتا ہے کہ قرآن اب مشین میں محفوظ ہو گا:

> "میّا سنا ہے کہ اب تو دفتر والے قرآن کو بھی مشینوں میں محفوظ
> کرنے کا سوچ رہے ہیں"۴؎

"میّا" کا ردِ عمل دیکھیے:

"میں اجڑ گئی، برباد ہو گئی، سب کچھ لُٹ گیا۔ میرے جینے کا سہارا چھن
گیا۔ ارے کوئی مجھے زہر دے دو کہ اپنے ہاتھوں ختم ہو جاؤں"۵؎

افسانہ "ہیرا" مادیت سے روحانیت اور تکنیکی حوالے سے روایت سے علامت تک کی کہانی ہے۔ ہیرا کو اپنے ماحول سے سخت نفرت ہے۔ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح عزت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اس کی زندگی میں محرومیاں ہیں۔ وہ محبت کے لیے ترستا ہے۔ اپنی زندگی کا سکوت اور انجماد ختم کرنے کے لیے متجسّس ہے۔ آخر میں حقیقت اور روحانیت کے دروازے پر قدم رکھتا ہے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو کر ابدی تسکین حاصل کر لیتا ہے۔

"ہیرا" کا کوٹھے سے روحانیت تک کا سفر ڈرامائی تکنیک میں بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کا اختتام داستانوی فضا میں ڈوبا ہوا ہے۔

افسانہ "کتّا" کا بنیادی کردار کرم دین چوکیدار ہے۔ یہ کہانی کرم دین کا المیہ ہے۔ زبیر شاہ بسا اوقات اپنی ہر کہانی کے اختتام کو ایک تحیر خیز موڑ دے دیتا ہے۔ اس کا یہی تکنیکی تجربہ قاری کو چونکا دیتا ہے۔ افسانہ "کتّا" کے اختتام پر بھی قاری کے ذہن میں کئی سوالات اُبھرنے لگتے ہیں:

"پھر کتّے کی بھوک اس کی آنکھوں سے نکل کر کرم دین کی آنکھوں
میں اُتر گئی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ دُکان کے تالوں کو اپنے دانتوں تلے دبتے
ہوئے محسوس کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں بڑی بڑی دُکانوں کے تالے کھل گئے
اور اس کی بنجر خواہشوں کی زمین جیسے سراب ہو گئی"۶؎

"کتّا" انسانی نفس کی علامت ہے۔ جو اسے بے راہ رو کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔

جدید ہم عصر اُردو افسانہ روایت سے ہٹ کر ہے۔ اس میں بھوک، افلاس، معاشرتی اُونچ نیچ، رُومان اور فسادات وغیرہ جیسے موضوعات نہیں ہیں۔ اس کا موضوع فرد کا باطن ہے۔ جو جدیدیت میں گم ہے۔ اپنے اسی موضوع کی توضیح و تفہیم کے لیے کہانی کاروں نے علامت اور تجرید کو استعمال کیا ہے۔ علامتیّت اور تجریدیت اُسلوب ہے لیکن افسانہ نگاروں نے اسے باقاعدہ افسانوی تکنیک کے طور پر برتا ہے۔

زبیر شاہ کا افسانہ "دائرے کا سفر" تجریدی تکنیک میں ہے۔ اس افسانے کے کردار کو منزل کی طرف سجھائی دینے والے راستے کا علم نہیں۔ وہ اس دنیا کے ہجوم میں گم سم، بھٹکتا پھر رہا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

" سفر جتنا مشکل ہوتا گیا۔ منزل کی دوری اور یاسیّت کا اثر بڑھتا گیا ۔اس نے کسی مدد کے لیے اپنی آواز کو ہوا کے دوش پر سوار کرنا چاہا مگر مسلوب الحواسی اور زبان کی گنگ ہونے کا کرب اس سے لپٹ گیا۔ اپنی تلاش میں لوگوں کے تلاطم خیز سمندر کو چھوڑ کر اپنی ہستی بے مایہ میں وہ کتنا دُور نکل آیا"ے

"شہر سنگین" "کوّے" "جو اماں ملی تو کہاں ملی" "خوف کے کتبے" "آخری کہانی" اور "دو موہنے" افسانوں میں علامتی ، تجریدی، داستانوی اور تمثیلی فضا ہے۔ افسانہ "کوّے" کی تکنیک علامتی اور تمثیلی ہے۔ مغربی تہذیب کے ہماری معاشراتی زندگی پر اثرات اس افسانے کا موضوع ہے۔ "سفید کوّے" اور "سانپ" دہشت کی علامات ہیں۔

" اس کے بعد کوئی بستی سے باہر نہیں گیا۔ بچوں اور نوجوانوں کی خصوصی نگرانی ہونے لگی۔ بستی کے چاروں طرف خصوصی گروہ مامور کر دیے گئے۔ جو اپنے ہی لوگوں کو محصور کرنے کے پابند تھے۔ کئی دن کئی راتیں اندھیروں، اجالوں میں تحلیل ہو گئیں مگر اب کے سفید کوّوں نے بھی وہاں سے نہ ہلنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ سب کو معلوم تھا کہ جب بھی یہ کوّے آتے ہیں ۔ دو، تین دن بعد کوئی وباٹوٹ پڑتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی جانیں چلی جاتی ہیں "۸ے

افسانہ "ہنس کی چال "کا موضوع بھی جدید اور قدیم اقدار کا ٹکراؤ اور کشمکش ہے۔ یہاں بھی کردار کو اپنی شناخت کے کھو دینے کی فکر لاحق ہے اور جسے پُرانی اقدار سے لگاؤ اور جدید مغربی تہذیب سے نفرت ہے۔ فنی حوالے سے یہ افسانہ شعور کی رو کی تکنیک میں ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار کئی اشیاء کے توسط سے فلیش بیک کے ذریعے ماضی میں جھانکتا ہے اور پھر اس کا شعور ایک واقعہ سے دوسرے اور پھر تیسرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ماضی میں والدین کے ساتھ گزرے لمحات، شعور کے پردے پر چلتے نظر آتے ہیں۔ کمرہ کھولنے سے سارے ماضی کے واقعات اور سوئے ہوئے بے شمار لمحات اس کے دل و دماغ میں کروٹیں لینے لگتے ہیں۔ چغہ، کُھسے، پگڑی، دیوار سے ٹیک لگائے والد صاحب کی سوئی ہوئی لاکھی، عینک، اماں کی آوازیں، عید کا نیا لباس، والد صاحب کا بارعب انداز میں گلی میں گزرنا، بچپن کے واقعات، چپکلی نما جانور یعنی گرگٹ کا ذکر، کھڑکی میں سے آنے والا جہاز کا شور، ماسٹر صاحب کی مارپٹائی، غرض شعور ایک واقعے سے دوسرے واقعے میں برقی روح کی طرح داخل ہوتا دکھایا گیا ہے۔

افسانہ "خالی فریم" کی تکنیک داستانوی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے افسانہ نگار عالم خواب میں ہو۔

" دیکھتے ہی دیکھتے چارپائی کے ایک کونے سے کن کھجورا ایک بڑے اژدھے کی شکل میں نکلا۔ لڑکی سہم کر اس سے لپٹ گئی اور خود کو اس میں چھپانے کی کوشش کرنے لگی وہ بھی لڑکی کو لے کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ مگر اژدھے نے بھاگنے سے پہلے ہی ان کو نگل لیا۔ اس کے منہ کے لعاب سے ان کے بدن اتنے گیلے ہو گئے کہ وہ ایک دوسرے سے چپکنے لگے اور پھر ایک پل میں اژدھے نے ان کو یوں تھوک دیا۔ گویا وہ دونوں اس سے زیادہ زہریلے ہوں"۹

"ابنِ ادم "کا موضوع جنگ اور دہشت گردی ہے۔ "فلائٹ 8/10 " کا موضوع اٹھا اکتوبر کا زلزلہ ہے۔ "انقلاب "کا موضوع بھی جنگ ہے۔ اور علامتی پیرائے میں بڑی طاقتوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اے، پی، ایس پشاور میں خون کی ہولی کھیلی گئی، بہت سی ماؤں کے لختِ جگر اور جگر گوشوں کا قتل عام کیا گیا، بہت سے والدین کی نوخیز تمناؤں کو کو جلایا گیا۔ اس کہانی میں جگہ جگہ یہ مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں:

" ہر طرف لاشوں کے ڈھیر نظر آ رہے ہیں۔ بارود کا زہریلا دھواں بچانے والوں کی آنکھوں اور سانسوں میں جذب ہو رہا ہے "۱۰

سید زبیر شاہ کے بیشتر افسانوں کی فضا علامتی اور تجریدی ہے۔ لیکن اس کی علامات مبہم ہر گز نہیں۔ ان کی معنویت کھل کر سامنے آتی ہے۔ پروفیسر خالد سہیل ملک لکھتے ہیں:

" سید زبیر شاہ کا پہلا افسانوی مجموعہ "خوف کے کتبے" جب چھپا تو اس کتاب نے سچ مچ قاری کو چونکا دیا تھا۔ اس مجموعے میں زبیر نے علامت کا سہارا لے کر قومی اور بین الاقوامی منظر نامے کو افسانے کا روپ دیا تھا۔ اس کتاب کا اگر مجموعی موضوع تلاش کیا جائے تو اس میں عالمگیریت سے جنم لینے والی ایک نئی سوچ کی تشکیل کو موضوع بنایا گیا تھا"۱۱

افسانہ "دو موہنے" اجتماعی سفر کی داستان ہے۔ یہ کہانی زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ اس افسانے میں اساطیری اور داستانوی ماحول کی آمیزش سے انسانی تشخص کی تلاش کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔

زبیر شاہ کا دوسرا افسانوی مجموعہ کل ۱۶ افسانوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ایک پشتو سے ترجمہ شدہ کہانی بھی ہے۔ یوسف عزیز زاہد ان افسانوں کے بارے میں راقم طراز ہیں:

"ان افسانوں کے موضوعات میں انسانیت کی تذلیل، انسان کا احساس محرومی، غربت، بھوک، افلاس سے دوچار عوام کی حالتِ زار، انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال، حکمرانوں کی عیاشیاں اور قوم کی بے حسی، عالمی طاقتوں کی چیرہ دستیاں اور غریب ممالک کا استعمار کے ہاتھوں استعمال اور قوم کا معاشی اور معاشراتی انحطاط شامل ہے"۱۲؎

"فصیل شب" کا موضوع دو قبیلوں کے درمیان عداوت، نفرت اور انتقام ہے۔ تکنیکی حوالے سے یہ کہانی تخلیقی بیانیہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ دو قبیلے جن پہاڑوں پر واقع تھے۔ ان کے درمیان ایک ایسی نہر تھی۔ جس میں پانی شاذ و نادر ہی آتا۔ پہاڑوں پر سالہا سال سوکھا رہتا اس لیے یہاں کے لوگ خوش رنگ پرندوں کے نغموں سے واقف تھے نہ کبھی معطر ہواؤں کی مہک کو محسوس کیا تھا"۱۳؎

"پانی" زندگی کی علامت ہے۔ جب کہ "سوکھی نہر" اور "پرندوں کا نہ ہونا" کسی مصیبت کی پیشن گوئی۔

افسانہ "پہلی قسط" کا موضوع مرد کی ہوس اور دھوکا ہے۔ افسانہ نگار نے نجیب اور اظہر دونوں کی بے حسی پر گہرا طنز کیا ہے۔ اس افسانے کی خود کلامی اور مکالمہ نگاری قابل تحسین ہے:

"کاش! اس دن تم مجھے بیاہ لے جاتے"۱۴؎

"مجھے تیرنا نہیں آتا۔ اظہر میں ڈوبنا بھی نہیں چاہتی"۱۵؎

دوسرے مجموعے کا ٹائٹل افسانہ "یخ بستہ دہلیز" کا موضوع انوکھا اور منفرد ہے۔ یہاں پر کہانی کھل کر اُبھرتی ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار "عزیز علی" کی پُراسرایت قابل داد ہے۔ لیکن افسانے کے اختتام پر عزیز علی کا ردِ عمل قاری کو چونکا دیتا ہے:

"عاشی! تم ایک ایسی بد قسمت ماں بن چکی ہو کہ اپنے بچے سے بیزار ہو کر بھی اس کے منہ میں دودھ ڈالتی رہو گی۔۔۔۔۔۔ مگر تمہاری مامتا کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔ تمہارے یہ بچہ تمہارے لیے ایک ناسور ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہ جتنے دن جیے گا۔ تم اتنے دن مروگی"۱۶؎

"جو تاریک راہوں میں مارے گئے" "ہجومِ مرگ میں زندگی" اور "ہائیبر نیشن" تینوں افسانے علامتی تکنیک میں ہیں۔ "جو تاریک راہوں میں مارے گئے"، حاصل کتاب کہانی ہے۔ اس میں وطن عزیز کا حوالہ ہے۔ افسانہ نگار نے کمالِ فنکاری سے عالمی طاقتوں کی چال بازیوں پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ "وجود کے سبز رنگ" اور "سفید دھبوں" کا اشارہ صاف ظاہر ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "لگتا ہے حملہ آور اس سے زیادہ طاقتور تھا جو اس کا ایک بھرپور حصہ کاٹ کر لے گیا" ۱۷

"ہائیبر نیشن" مشکل علامتی افسانہ ہے۔ لیکن مبہم نہیں۔ جمہوریت، آمریت، قتل و غارت، دہشت گردی، لوٹ مار، غربت، مہنگائی اور بے حسی کو علامتی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً دادا کے کہنے پر جب پوتا خواب سنانے لگتا ہے۔ خاکی کپڑے اور بڑے بڑے بوٹ پہنے ہوئے شخص کی مسکراہٹ اور دروازے پر اجرک پوش شخص کی آمد اور اس کا چینی دم کر کے دینا، واضح اشارے اور کھلی علامتیں ہیں۔ گزشتہ سات دہائیوں سے ہمارے ملک کے عوام کے ساتھ جو ہوتا آرہا ہے۔ اسے افسانہ نگار نے علامتی تکنیک میں واضح کیا ہے۔

"ہجومِ مرگ میں زندگی" کی تکنیک علامتی اور تجریدی ہے۔ جس میں دہشت گردی کے سبب ملک میں پھیلے ہوئے خوف سے بیزاری ہے۔ پورے افسانے میں بچے، جوان حتیٰ کہ ساری عوام عدمِ تحفظ کے خوف میں مبتلا ہیں۔

> "ماں! بہت سارے ایمبولنس تھے۔ ہوٹر بج رہے تھے۔ کہیں دور سے مسلسل گولیوں کی تڑتڑاہٹ آرہی تھی۔ اتنے شور میں بھی ایک ہی اعلان گونجتا رہا۔ بڑے چوک میں لاش پڑی ہے۔ شناخت کر کے لاش لے جائیں۔
> ماں۔۔۔۔۔ سارا شہر چوک میں جمع ہو گیا ہے۔ جس عورت نے بھی لاش دیکھی۔ اپنا منہ نوچنے لگی۔ جو بھی مرد لاش کی طرف جاتا اپنا گریباں پھاڑتا اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگتا۔ ہر کوئی یہی کہتا میرے بچے کی لاش ہے" ۱۸

اس افسانے میں ملکی، مذہبی انتہاپسندی اور بیرونی ملک دشمن عناصر کی مداخلت کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ خوف اور عدمِ تحفظ کے ڈر سے لوگ کاروبار حتیٰ کہ عبادت خانوں میں جانے سے کتراتے ہیں:

"میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن ان آنکھوں نے جس طرح معصوم اور بے گناہ لوگوں کو مرتے دیکھا ہے۔ اس احساس سے بہت ڈرتا ہوں کہ میں اشرف المخلوقات ہوں اور خالقِ کائنات کے عطا کردہ وقار کے ساتھ جینا اور مرنا چاہتا ہوں۔ میں اس سوچ سے لرز جاتا ہوں کہ کسی دن میرے اپنے میرے جسم کے چیتھڑے جمع کرنے کے لیے جلی ہوئی زمین پر بکھری ہوئی چیزوں کو ٹٹول رہے ہوں گے اور ان کی سانسوں میں گولہ بارود کے ساتھ میرے خون کی بو گھس کر ان کو ایک جان کن اذیت سے دوچار کرے گی"۱۹

افسانہ "قربانی جو رائیگاں گئی "رننگ کمنٹری Running commentary یعنی مسلسل تبصرے کی تکنیک میں ہے۔ "احساس کی کرچیاں" دیوانے کی کہانی ہے۔ "ٹائیگر" اس کہانی کا مرکزی کردار ہے۔ "سرد صحرا کی پیاس" میں "نرگس" کے کردار کا ظاہری باطنی اور نفسیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔

"برفاب زمانے" ملکی حالات کا استعارہ ہے۔ اس کہانی کے مکالمے جاندار ہیں:

"جو اعلان میرا لیڈر کرے گا آپ کا لیڈر وہ سوچ بھی نہیں سکتا"

"تو کیا کل ہم سارا دن پھر بھوکے رہیں گے؟"

"تو پھر آپ جلسہ گاہ چھوڑ کر کام پر چلے جائیں۔

یہ بھکاری کسی کو کیا دیں گے "۲۰

"مسافت رائیگاں" ڈاکٹر نگہت یاسمین کے پشتو افسانے کا ترجمہ ہے۔ جو فلیش بیک کی تکنیک میں ہے۔ افسانے کا کردار بس میں محوِ سفر ہے۔ اچانک کنڈکٹر کی آواز "ماں جی" اسے احساس دلاتی ہے۔ کہ اس کی عمر ڈھل گئی ہے۔ یہیں سے کردار حال کا رشتہ ماضی سے جوڑتا ہے اور اسے صوابی میں اپنا گاؤں، بوڑھے ماں، باپ، غربت کی زندگی، ماموں کے ہاں پانچویں تک تعلیم اور پھر سکول پرنسپل کی کاوشوں سے تعلیم کا جاری رکھنا اور آخر میں لڑکیوں کے کالج میں نوکری سب کچھ یاد آجاتا ہے۔

افسانہ "کفارہ" شعور کی رو کی تکنیک میں ہے۔ اس میں کیپٹن داؤد شاہ کی ذہنی، نفسیاتی اور جذباتی الجھنوں کو گرفت میں لے کر اسے ماضی حال اور مستقبل میں چلتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ کردار کی ذہنی حالت، داخلی تجزیے اور حسیاتی تاثر کی تصویر ملاحظہ ہو:

"اچانک اس کی پھڑکتی ہوئی شہ رگ سے ایک سنسائی ہوئی گولی ایسی ٹکرائی کہ اس کی آواز کی نغمگی ہر طرف گونجنے لگی اور اس کے بہتے ہوئے خون کی خوشبو سارے میں پھیل گئی۔ بعد میں اسے مکمل فوجی اعزاز کے ساتھ دفنایا گیا اور کئی بڑے افسران اس کی قبر کے ساتھ کھڑے اس کی شہادت کو سلام پیش کر رہے تھے۔ اس کی قبر پر لگی ہوئی شہید کیپٹن داؤد شاہ کے نام کتبے کے پاس ایک خوبصورت دلہن بیٹھی تھی۔ جس کے چہرے پر تفاخر کی سرخی اور آنکھوں میں طمانیت کے آنسو تھے"۲۱

زبیر شاہ کے بشتر افسانوں میں موضوعاتی سطح پر عالمگیریت کا پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں موضوعاتی اور تکنیکی سطح پر خاصہ تنّوع ملتا ہے۔ وہ زندگی کے گوناگوں مسائل اور موضوعات کو افسانے کے قالب میں ڈھالنے کا گُر جانتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع تہذیبی تصادم اور اس کے اثرات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال ہے۔ عالمی منظر نامے پر رونما ہونے والی تبدیلیاں، مغربی اثرات سے مشرقی ماحول میں پیدا ہونے والی بے چینی اور خوف کی تفہیم کے لیے علامت اور تجرید کے اُسلوب کا استعمال انہوں نے کمالِ ہنر مندی سے کیا ہے۔ زبیر شاہ کی کہانیوں کے مختلف کرداروں کے ذہن میں مختلف خوف سرایت کیے ہوئے ہیں۔ وہ دراصل خوف کا تاثر نہیں ابھارتے، بلکہ عصری صورتِ حال پر اپنی تخلیقات سے اجتماعی انسانی اژدھام میں اپنی تشخص کے قائم نہ ہونے کا خوف ہے۔ تکنیکی سطح پر بھی زبیر نے یکسانیت سے گریز کیا ہے۔ انہوں نے اردو افسانے کو کئی ایک اسالیب دیے ہیں۔ انہوں نے اگر ایک طرف سیدھے سادے روایتی انداز میں کہانیاں تخلیق کی ہیں تو دوسری طرف ان کی کئی ایک کہانیاں علامتی اور تجریدی انداز میں بھی ہیں لیکن ابہام کے حسن کے ساتھ ساتھ حظ اور تخلیقی مسّرت کے عناصر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔ان کے افسانوں کا ایک بنیادی وصف ان کا رواں دواں اُسلوب بھی ہے۔ وہ بسا اوقات غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرتے ہیں۔ اُسلوبیاتی سطح پر ان کے افسانے علامت، رمزیت اور تخلیقی بیانیے ہیں۔ ان کے ہاں اظہار کی صداقت ہے۔ ان کے لفظیات کا چناؤ قابل دید ہے۔

وہ جملہ سازی کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے افسانوں کا تحیّر خیز تجسّس اور چُست بنت کاری پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یوسف عزیز زاہد لکھتے ہیں:

"زبیر شاہ نے "خوف کے کتبے" سے "یخ بستہ دہلیز "تک جو سفر کیا ہے،

اس میں جو مقامات آئے ان کی تصویر کشی ہنر مندی سے کی ہے۔ ان کے افسانوں میں علامتی آہنگ، رمزیت، تہہ داری اور عصری آگاہی کے تمام تر رنگ اپنی پورے آب و تاب سے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن کہانی بھی نمایاں ہے۔ سید زبیر شاہ نئی نسل کا نمائندہ ہے"۲۲؎

حوالہ جات

(۱) سید زبیر شاہ، خوف کے کتبے، مشمولہ، از دالم و دو ملولم، ص۱۶

(۲) سید زبیر شاہ، بین کرتی میّا، مشمولہ، خوف کے کتبے، ص،۱۸

(۳) ایضاً ص،۱۹

(۴) ایضاً ص،۱۹

(۵) ایضاً ص،۲۰

(۶) سید زبیر شاہ، کتّا، مشمولہ، خوف کے کتبے، ص،۳۳

(۷) سید زبیر شاہ، دائرے کا سفر، مشمولہ خوف کے کتبے، ص،۸

(۸) سید زبیر شاہ، کوّے، مشمولہ، خوف کے کتبے، ص،۵۳

(۹) سید زبیر شاہ، خالی فریم، مشمولہ، خوف کے کتبے، ص،۶۵،۶۶

(۱۰) سید زبیر شاہ، انقلاب، مشمولہ، خوف کے کتبے، ص،۳۴

(۱۱) خالد سہیل ملک، یخ بستہ دہلیز پر پھیلی کہانیاں، مشمولہ " یخ بستہ دہلیز " ص،۱۸

(۱۲) یوسف عزیز زاہد، یخ بستہ دہلیز، مشمولہ، خوف کے کتبے سے یخ بستہ دہلیز تک، ص،۱۱،۱۲

(۱۳) سید زبیر شاہ، فصیل شب کے پار، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۲۲

(۱۴) سید زبیر شاہ، پہلی قسط مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۲۹

(۱۵) ایضاً

(۱۶) سید زبیر شاہ، یخ بستہ دہلیز، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۱۵

(۱۷) سید زبیر شاہ، جو تاریک راہوں میں مارے گئے، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۴۷

(۱۸) سید زبیر شاہ، ہجومِ مرگ میں زندگی، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۱۰۱،۱۰۲

(۱۹) ایضاً ، ص،۱۰۴

(۲۰) سید زبیر شاہ، برفاب زمانے، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۱۳۴

(۲۱) سید زبیر شاہ، کفارہ، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۱۲۰

(۲۲) یوسف عزیز زاہد، خوف کے کتبے سے یخ بستہ دہلیز تک، مشمولہ، یخ بستہ دہلیز، ص،۱۲